RAHAT-UL-QULOOB
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869
Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**
Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.
Website: www.rahatulquloob.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

اہل کتاب سے اخذِ روایات کے اصول وحدود۔۔۔ایک تحقیقی مطالعہ

Benefitting from Ahl-e- Kitab in Traditions: Dimensions & Limitations

AUTHORS

1. *Tariq Mahmood, Ph.D Scholar, SZIC, Panjab University, Lahore.*
   Email: tariqmahmood2613@gmail.com
   orcid id: https://orcid.org/0000-0002-9349-0322
2. *Prof. Dr. Muhammad Abdullah, Professor, SZIC, Panjab Uni: Lahore.*
   Email: Abdullah_pu@hotmail.com
   orcid id: https://orcid.org/0000-0001-9042-0583

How to Cite: Mehmood, Tariq, and Prof. Dr. Muhammad Abdullah. 2021. "URDU: اہل کتاب سے اخذِ روایات کے اصول وحدود۔۔۔ایک تحقیقی مطالعہ: Benefitting from Ahl-E- Kitab in Traditions: Dimensions & Limitations". *Rahatulquloob* 5 (1), 43-58. https://doi.org/10.51411/rahat.5.1.2021/186.

URL: http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/186
Vol. 5, No.1 || January–June 2021 || P. 43-58
Published online: 04-01-2021

QR. Code

اہل کتاب سے اخذِ روایات کے اصول و حدود۔۔۔ایک تحقیقی مطالعہ

Benefitting from Ahl-e- Kitab in Traditions: Dimensions &Limitations

[1]طارق محمود، [2]محمد عبداللہ

ABSTRACT:
Disciples of Islamic Sciences especially of Hadith and Seerah bestow a significant value to the primary rules for acceptance and rejection. Scholars and Debaters vary regarding to their specific view of said topic. Another question arises whether the Traditions reported by the Believers (Ahl-e-Kitab) should be accepted or not. Moreover, if the said notion is acknowledged, what would be its legal value? The foremost thing which is explained is to evaluate the parameters of "Believers". No doubt Jews and Christian come up the very touchstone of said evaluation. Besides, Sabyeen, Magus and some sundry groups line up the said evaluation. Secondly, in the context of acceptance and rejection of the traditions of Believers and Non-believers, the viewpoint of Quran o Sunnah, the Mohadasin, Religious scholars and debaters has been explored. In this paper, all aspects regarding above discussion will elaborate.
Keywords: Ahl-e- Kitab, Traditions, Benefitting, Dimensions, Limitations.

اہل کتاب کا تعارف

قران و سنت میں آسمانی کتب اور شرائع کو ماننے والوں کے لیے یہود(Jews) اور نصاریٰ(Christian) کی تصریح و توثیق آئی ہے۔یہود اہل تورات اور امت موسوی تھے جب کہ نصارٰی اہل انجیل اور امت عیسوی۔انہی دونوں امتوں کو اہل کتاب (People of the book)کہتے ہیں[1] اہل کتاب[2] ایک مخصوص قرآنی اصطلاح ہے قرآن عظیم نے ہی اس کا تعارف کروایا اور اسی نے اسے رائج کیا یہاں تک کہ بہت سے مقامات پر اس کا استعمال ہوا کبھی "یا اھل الکتاب "اور کبھی صرف "اھل الکتاب "کہہ کر کبھی "اوتوالکتاب "،اولوا الکتاب اور" اوتوا الکتاب "اور بعض جگہوں پر "بنی اسرائیل "کہہ کر مخاطب کیا گیا[3] جیسے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَہٗ۔[4]"ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو پھیلانا ہو گا انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہو گا"۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد کا ذکر فرمایا ہے اس کی مزید تشریح ہمیں اس آیت میں ملتی ہے کن اہل کتاب سے عہد کا ذکر ہے﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ﴾[5]"ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے"۔

امام راغب اصفہانی(ف 502ھ)اہل کتاب کی اصطلاح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں:

حیثما ذکر اللہ تعالیٰ اہل الکتاب فانما اراد بالکتاب التوراہ والانجیل وایاھما جمیعا[6]

ترجمہ: جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذکر فرمایا وہاں کتاب سے مراد صرف تورات اور انجیل ہی لیا۔

بالفاظ دیگر عرف میں اہل کتاب سے مراد صرف اور صرف یہود و نصاریٰ ہیں[7] کیونکہ وہی تورات اور انجیل کے قاری ہیں۔

سید فضل الرحمن اہل کتاب کے ضمن میں لکھتے ہیں: "اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو تورات و انجیل پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتے ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو تو وہ لوگ اہل کتاب میں داخل نہیں جیسے مشرکین مکہ، مجوس، بت پرست، ہندو، بدھ، آریا، سکھ وغیرہ۔ اس زمانے میں غیر مسلموں کے جتنے فرقے اور جماعتیں موجود ہیں ان میں سے صرف وہ یہود و نصاریٰ ہی اہل کتاب میں شمار ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں اور تورات و انجیل کو آسمانی کتب مانتے ہوں باقی مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں"[8]۔ البتہ فقہاء اور متکلمین نے حدیث پاک کی بنا پر مجوس وغیرہ کو بھی اہل کتاب کے ساتھ شمار کیا ہے۔ اس بارے میں عبدالکریم شہرستانی فرماتے ہیں: "اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو ملت حنیف اور شریعت اسلامیہ سے فارغ ہیں اور شریعت و احکام اور حدود و اعلام کے قائل ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے پاس کتاب محق ہے مثلاً تورات و انجیل، اور قرآن پاک میں اہل کتاب کہہ کر ان کو تخاطب کیا گیا ہے دوسرے وہ جو کہ شبہ کتاب کے حامی ہیں جیسے مجوس اور معنویہ۔ کیونکہ جو صحیفے حضرت ابراہیمؑ پر نازل ہوئے تھے انہیں مجوس کی بدعتوں کی وجہ سے اٹھالیا گیا، لہٰذا ان کے ساتھ عہد و ذمہ باندھنا جائز ہے ان کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا سا معاملہ رکھا جائے گا کیونکہ وہ بھی اہل کتاب ہیں تاہم ان کے ساتھ نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ان پر سے کتاب کو اٹھالیا گیا ہے"[9]۔ اس تصریح سے ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں اہل کتاب سے مراد فی الحقیقت یہود و نصاریٰ ہی ہیں البتہ اسلامی ریاست میں ابھرنے والے بعض معاشرتی انتظامی امور کی بنا پر فقہی سطح پر کچھ معاملات میں مجوس وغیرہ کو بھی اہل کتاب کی صف میں رکھا جائے گا اس شمولیت کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں جب مجوس ہجر کے بارے میں سوال اٹھا تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سنوا بهم سنة اہل الکتاب غیرنا کحی نساءھم ولا اٰکلی ذبیحھم[10]

ترجمہ: ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک کرو البتہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔

الغرض یہ کہ بعض ریاستی معاملات کو نمٹانے کی غرض سے مجوس و معنویہ حتیٰ کہ متعدد ائمہ فقہاء کے نزدیک دیگر کافرین و مشرکین کے ساتھ بھی یہود و نصاریٰ کا سا سلوک کیا جائے گا[11] کیونکہ درج بالا حدیث پاک سے یہی ماخوذ ہے کہ مجوس اہل کتاب میں شامل نہیں ہیں[12] بلکہ ریاست کی پیچیدگیاں سلجھانے کے لیے ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ ان سے مناکحت اور ان کا ذبیحہ کھانے سے ممانعت فرمائی گئی جبکہ اہل کتاب کے ضمن میں یہ چیزیں جائز ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کی اصطلاح جہاں بھی استعمال ہوئی اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہی ہوں گے۔

اہل کتاب اور مجوس:

ائمہ فقہ و عقائد کے مجوزہ اصول کے تحت صرف وہی طبقات اہل کتاب کے زمرے میں آتے ہیں۔ جو سابقہ انبیاء و رسل پر نازل ہونے والی کتب میں سے کسی ایک پر ایمان رکھتے ہیں۔ خواہ وہ محرف و متبدل شدہ کیوں نہ ہو ان کی نظر میں بلا اتفاق اہل کتاب میں دو ہی ایسے طبقات ہیں جو اہل کتاب میں شامل ہیں وہ ہیں یہود و نصاریٰ۔ نیز مذاہب اربعہ میں سے کسی نے بھی مزید کسی شرط کا اضافہ نہیں کیا۔ مجوس اہل کتاب میں اس لئے شامل نہیں ہوتے کیونکہ وہ درج بالا اصول کی روشنی میں کسی آسمانی کتب کے متحمل نہ تھے۔ اس ضمن میں امام ابو بکر جصاصؒ

(م 370ھ) اہل کتاب اور مجوس و صائبین کے درمیان اسی اصول کی بناء پر فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اختلف فی المجوس فقال جل اسلف و اکثر الفقہاء: لیسوا اہل الکتاب وقال آخرون: ہم اہل الکتاب والقائلون بذلك شواذ والدلیل علی انہم لیسوا اہل لکتاب قولہ تعالیٰ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰي طَاۗىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا۔ فاخبر اللہ تعالیٰ ان اہل الکتاب طائفتان، فلایجوز ان یجعلوا ثلاث طوائف، وایضاً فان المجوس لا ینتحلون شیئاً من کتب اللہ المنزلة علی انبیائہ و انما یقرؤن کتاب زرادشت وکان متنبیا کذابا فلیسوا اذا اہل کتاب۔ وروی سفیان عن قیس بن مسلم عن الحسن بن محمد قال: کتب النبی ﷺ الی مجوس ہجر یدعوہم الی الاسلام قال: فان اسلمتم فلکم ما لنا وعلیکم ما علینا من ابی فعلیہ الجزیة غیر اکل ذبائحہم ولا نکاح نسائہم۔ ویدل علی انہم لیسوا اہل کتاب ان النبی ﷺ کتب الی صاحب الروم: یا اہل الکتاب، تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم، وکتب الی کسریٰ ولم ینسبہ الی کتاب۔ و روی فی قولہ تعالی: الم غلبت الروم وان المسلمین احبوا غلبة الروم لانہم اہل کتاب و احبت قریش غلبة فارس لانہم جمیعا لیسوا باہل الکتاب۔[13]

ترجمہ: مجوسیوں کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ سلف میں اکثر حضرات اور فقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ یہ لوگ اہل کتاب میں شامل نہیں ہیں۔ ان کے اہل کتاب میں نہ شامل ہونے کی دلیل یہ قولِ باری تعالیٰ ہے: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰي طَاۗىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا۔ "اور یہ برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا پس تم اس کی پیروی کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یہ کہ تم یہ نہ کہو کہ کتاب (قرآن مجید) ہم سے پہلے صرف دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر اتاری گئی تھی"۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مترشح ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی تعداد صرف دو گروہ ہے اگر مجوس اہل کتاب ہوتے تو پھر گروہوں کی تعداد تین ہوتی۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ مجوس سابقہ کتب، جو انبیاء پر نازل ہوئیں پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ تو زرتشت کی کتاب پڑھتے ہیں جو نبوت کا جھوٹا دعویدار تھا اسی وجہ سے یہ لوگ اہل کتاب میں شامل نہیں ہوتے۔ حضرت سفیان نے قیس بن مسلم سے روایت کیا ہے اور انہوں نے امام حسن بن محمد سے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں کو تحریری طور پر دعوتِ اسلام دی اور آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمھارے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور تم پر وہی فرائض عائد ہوں گے جو ہم پر ہیں لیکن جو شخص اسلام کی دعوت قبول نہیں کرے گا اس پر جزیہ عائد ہو گا ان کے ذبیح نہیں کھائے جائیں گے اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا جیسے یہودی اور عیسائی عورتوں سے کیا جاتا ہے۔

مجوسیوں کے اہل کتاب نہ ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے روم کے بادشاہ کو ان الفاظ میں خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی: "اے اہل کتاب! تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے"، لیکن جب آپ نے شہنشاہ ایران کسریٰ کو دعوت نامہ تحریر کیا تو اس میں اسے اہل کتاب کہ کر مخاطب نہیں کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان الم غلبت الروم کی تفسیر میں مروی ہے کہ مسلمان اہل روم کے غلبہ کے اس بناء پر خواہش مند تھے کہ وہ اہل کتاب تھے۔ اس کے برعکس قریش مکہ ایرانیوں کے غلبہ کے

خواہش مند تھے کیونکہ وہ سب غیر اہل کتاب تھے۔

درج بالا دلائل وبراہین سے اخذ ہوتا ہے کہ مجاسیت کے پیروکار کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے جس کے باعث وہ صریح کافر ہیں اور انہیں کسی بھی صورت اہل کتاب میں تصور نہیں کیا جائے گا۔

اہل کتاب اور صابئین

صابئین کا لفظ بھی قرآن مجید میں آیا ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں اور کیا یہ اہل کتاب میں شامل ہیں ذیل کی سطور میں مختلف آئمہ کرام کے دلائل وبراہین سے تجزیہ کیا جاتا ہے۔ صابئین کا ذکر قرآن مجید میں دو مقامات سورۃ بقرہ اور سورہ حج میں آیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [14]

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی جو بھی ایمان لایا اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک کام کئے تو ان کے لئے انکے رب کے پاس بدلہ ہے۔ اور ان پر کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰي وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ، اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ [15]

ترجمہ: جو لوگ مومن ہیں، یہودی، صابی، نصاریٰ، مجوسی اور مشرک ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

صابئین کے اہل کتاب ہونے میں آئمہ کرامؒ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ ان کو اہل کتاب میں عیسائیت سے مماثلت کی بناپر شامل کرتے ہیں جبکہ بعض آئمہ عظامؒ ان کو اہل کتاب میں شامل نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہ ؒ ان کو اہل کتاب میں اس بناپر شامل کرتے ہیں کہ وہ دین مسیحی اختیار کر چکے ہیں حالانکہ صائبین اصلاً اہل کتاب میں سے نہیں ہیں۔ اس ضمن میں امام ابو بکر جصاصؒ (م370ھ) اہل کتاب اور صائبین میں امتیاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و قد اختلف فی الصابئین هم من اهل الکتاب ام لا؟ فروی عن ابی حنیفة انهم اهل کتاب و قال ابو یوسف و محمد: لیسوا اهل کتاب۔ و کان ابو الحسن الکرخی یقول: الصابئون الذین هم عنده من اهل الکتاب قوم ینتحلون دین المسیح و یقرؤن الانجیل فاما الصابئون الذین یعبدون الکواکب وهم الذین بناحیة حران فانهم لیسوا باهل کتاب عندهم جمیعا [16]

ترجمہ: صائبین کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ اہل کتاب میں سے ہیں یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ یہ اہل کتاب ہیں جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ انہیں اہل کتاب قرار نہیں دیتے امام ابوالحسن کرخی فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جو صائبین اہل کتاب میں سے ہیں، یہ صرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے دین مسیحی اختیار کر رکھا ہے اور وہ انجیل بھی پڑھتے ہیں البتہ وہ صائبین جو ستارہ پرست ہیں اور حران کے علاقے میں بستے ہیں ان کے اہل کتاب ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

تفسیر بحر العلوم میں قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 62 کے ذیل میں امام الفقہ ابو اللیث السمر قندیؒ یہود و نصاریٰ اور صابئین کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابو صالح کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وھم قوم کانوا مومنین بموسیٰ و التوراۃ۔[17] اس سے مراد وہ لوگ تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ امام ابو اللیث السمر قندیؒ (ف 375ھ) احکام پر آئمہ کے اختلاف کے ضمن میں لکھتے ہیں: و اختلف العلماء فی حکم الصابئین۔فقال بعضھم: حکمھم کحکم اھل الکتاب فی اکل ذبائحم و مناکحۃ نسائھم و ھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ لانھم قوم بین النصرانیۃ وا لیھودیۃ یقرؤون الزبور۔وقال بعضھم: ھم بمنزلۃ المجوس لا یجوز اکل ذبائحھم ولا مناکحۃ نسائھم وھو قول ابو یوسف ومحمد رحمھما اللہ لانھم یعبدون الملائکۃ فصار حکمھم حکم عبدۃ النیران۔[18]

ترجمہ: علماء نے الصائبین کے حکم کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے ان کے ذبائح کے کھانے اوران کی عورتوں کے نکاح کے باب میں ان کا حکم اہل کتاب کے حکم کی مانند ہے یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ ایسی قوم ہے جو نصرانیت اور یہودیت کے درمیان ہے اور وہ زبور کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ مجوس کی مانند ہیں نہ توان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے اور نہ ان کی عورتوں کے ساتھ نکاکرنا جائز ہے۔ یہ قول امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے کیوں کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اس لیے ان کا حکم آگ کی پوجا کرنے والوں کی طرح ہو گیا ہے۔

مختصر یہ کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی بھی اہل کتاب میں شامل نہیں ہے۔ تاہم کچھ معاملات کی سنگینی اور حالات کے پیش نظر دیگر گروہ مجوس اور صائبین کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کیا جاسکتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے مجوس ہجر کو جزوقتی اور مشروط امور میں اہل کتاب سامعاملہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

اہل کتاب سے اخذِ روایات اصول و حدود

اہل کتاب سے اخذ روایات کی اُصولی بحث سے قبل اس بات کی وضاحت ناگزیر ہے کہ یہاں زیر بحث اہل کتاب سے مراد وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ ان سے مراد وہ لوگ نہیں جو مشرف بہ اسلام ہو کر صحابہ کرام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب سے اخذ روایات کا تعلق بھی سیرت کے واقعات سے ہی ہونا چاہیے نہ کہ حدیث کی روایات سے۔ کیونکہ محدثین کے نزدیک حدیث کے راوی صرف اہل ایمان ہی ہو سکتے ہیں اہل کفر ہر گز ہر گز نہیں۔ جبکہ اصولیین ان سے اخذ روایات کے قائل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا ابتدائی حصہ جس میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے کے خاندانی و معاشرتی احوال ،ولادت اور اس سے ماقبل معجزاتی واقعات کا ظہور، آپ ﷺ کے والدین کریمین اور دیگر عزیز و اقارب کے انساب اور خاندان وغیرہ جیسے اُمور شامل ہیں۔ ان میں اہل کتاب کو بنیادی مصدر بنائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اسی طرح نجران کے نصاریٰ اور خیبر کے یہود سے متعلق بہت سی اہم باتیں نصاریٰ اور یہود کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتیں تھیں۔ یہاں یہ بحث جنم لیتی ہے کہ اہل کتاب و اہل کفر سے اخذ روایات کی شرعی حیثیت کا تعین کیا جائے۔ اس ضمن میں یہ تحقیق تین جہات پر مشتمل ہے:

1: اہل کتاب (اہل کفر) سے اخذِ روایات کے سلسلہ میں کتب اُصولِ حدیث کا تجزیہ کیا ہے؟

2: اہل کتاب (اہل کفر) سے اخذِ روایات کے سلسلہ میں اہل سیر کا تعامل کیا ہے؟

3: اہل کتاب اور اہل کفر سے اخذِ روایات کے ضمن میں دلائل نقلیہ و عقلیہ کیا ہیں؟

اہلِ کتاب (اہلِ کفر) سے اخذِ روایات کے سلسلے میں کتب اصول حدیث کا جائزہ لینے سے علماء کے دو مواقف نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک موقف اصولیین کا ہے جو کہ قبول روایات کا قائل ہے۔ دوسرا موقف محدثین کا ہے جو عدم قبولیت کا حامل ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر حافظ عثمان احمد رقمطراز ہیں: کتب اُصول حدیث میں بنیادی طور پر یہ بحث اسباب طعن راوی کے باب میں بدعت کے طعن کے تحت بیان ہوئی ہے۔ اُصولیین بدعت کو دو اقسام میں منقسم کرتے ہیں۔ بدعت مفسقہ اور بدعت مکفرہ۔ بدعت مکفرہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کے ارتکاب سے تکفیر لازم آتی ہے۔ جیسے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں الوہی حلول کا اعتقاد، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تُہمت باندھنا وغیرہ۔

بدعت مکفرہ کے مرتکبین کے بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

1: تاویل باطل کرنے والے کفار وفساق کی روایت علی الاطلاق قبول کی جائے گی۔ یہ رائے متکلمین اور اہل النقل کی ہے۔[19]

2: اہل کتب کی روایت اس شرط پر قبول کی جائے گی کہ وہ کذب کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ رائے اصولیین میں سے ایک جماعت کی ہے۔ جن میں ابوالحسین البصری،[20] امام رازی[21] اور بیضاوی[22] شامل ہیں۔

3: کافر و فاسق کی روایت مطلقاً قبول نہیں اور ہر صورت رد کی جائے گی۔ امام نووی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے[23] کہ بدعت کے باعث جن کی تکفیر کی گئی ان کی روایت رد کر دی جائے گی۔[24]

قواعد التحدیث میں ہے: وقع فی کلام النووی فی شرح مسلم فی المتواتر انه لایشترط فی المخبرین به الاسلام، وکذا قال الاصولیون ولایخفی ان هذا اصطلاح الاصولیون والا فاصطلاح المحدثین فیه، ان یرویه عدد من المسلین لانهم اشترطوا فی من یحتج بروایة ان یکون عدلا ضابطا، بان یکون مسلمابالغا، فلاتقبل روایة الکافر فی باب الاخبار وان بلغ فی الکثرة مابلغ، وعبارة جمع الجوامع مع شرحه :ولا تقبل روایة کافر وان عرف بالصدق لعلو منصب الروایة عن الکفار، نعم یقبل من الکافر ما تحمله فی کفرة اذا اسلم[25]

ترجمہ: شرح مسلم میں امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ متواتر کے لیے رواۃ کے اسلام کی شرط عائد نہیں کی جائے گی، اُصولیین کی بھی یہی رائے ہے لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ اصولیین کی اپنی ایک خاص اصطلاح ہے جبکہ محدثین کی اصطلاح اس سلسلے میں یہ کہ متواتر وہ ہے جسے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد روایت کرے اور ان کے ہاں راوی کے عادل وضابط ہونے کی شرط سے مراد راوی کا مسلمان اور بالغ ہونا ہے اس لیے کسی کافر کی روایت قبول نہیں کی جائے گی چاہیے ان کی تعداد کثرت کی کسی انتہا کو چھولے۔ جمع الجوامع اور اس کی شرح کی عبارت اس طرح ہے: کافر کی روایت قبول نہیں کی جائے اگرچہ وہ صدق میں معروف ہو کیونکہ روایت کا منصب کفار سے بہت بلند ہے البتہ کافر اگر حالت اسلام میں اپنے کفر کے ایام کی کوئی بات کرے تو وہ قبول کی جائے گی۔

صاحب کشف الاسرار رقمطراز ہیں: وعدالتھم یشیر الی اشراط الاسلام والعدالۃ کما قالہ قوم، لان الاسلام والعدالۃ ضابطا الصدق والتحقیق، الکفر والفسق مظنتا الکذب والمجازفۃ فشرط عدمھما، وعندالعامۃ لیس بشرط للقطع۔[26]

ترجمہ: (بزدوی نے) جو عدالتھم کے الفاظ لکھے ہیں ان سے ان کا اشارہ متواتر حدیث میں اسلام اور عدالت دونوں کی شرط ہونے کی طرف ہے۔ جیسا کہ ایک جماعت کی رائے ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک اسلام اور عدالت دونوں صدق اور تحقیق کے ضابطے ہیں۔ جبکہ کفر و فسق جھوٹ اور ظن و تخمین کے مترادف ہیں۔ تو انہوں نے کفر و فسوق کے عدم کو شرط ٹھہرایا لیکن عام اصولیین کے نزدیک اسلام اور عدالت دونوں متواتر کی شرط نہیں اور ان کے بغیر بھی علم قطعی حاصل ہوتا ہے۔

اصولی علماء جمال الدین القاسمی (ف1332ھ) اور عبد العزیز بخاری (ف1428ھ) سے منقول درج بالا اقوال کے تناظر میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس بحث میں جمہور اصولیین کے مطابق قبول اسلام میں اسلام کی شرط لازم نہ ہے۔ جبکہ محدثین اسلام کی شرط لازمی قرار دیتے ہیں۔ اگر محدثین کی بات کو ترجیح دی جائے تو اس کی بنیادی وجوہات یہ ہیں:

1: روایت حدیث کو امر تعبدی سمجھنا اور کافر کی کوئی بات مقبول نہیں اس عبارت سے ظاہر ہے کہ محدثین روایت کے عمل کو عبادت کے قائمقام سمجھتے ہیں۔ ولا تقبل روایۃ کافر وان عرف بالصدق لعلو منصب الروایۃ عن الکفار، کہ شہرت صدق کے باوجود روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ روایت کا منصب اس سے بلند ہے۔ لیکن روایت حدیث کو امر تعبدی سمجھنا کسی طرح بھی درست نہیں سمجھا جاسکتا قرآن اہل کفر سے کہتا ہے۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ[27] "دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو"۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ صادق ہونے کی صورت میں ان کی بات قبول کی جائے گی۔

2: چونکہ حدیث سے امور دینیہ عبارتاً، اشارتاً، دلالتاً یا اقتضاءً ثابت ہوتے ہیں اور اہل کفر کے قول سے کوئی امر دین ثابت نہیں ہو سکتا لیکن اگر کسی امر دینی کے بجائے روایت کافر سے محض امر دنیا کو ثابت کیا جائے تو یہ سبب ختم ہو جاتا ہے۔ سیرت طیبہ کی روایات اگر اہل کفر سے لی جائیں تو ان سے شرعی احکام کا اثبات مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان کی حیثیت اخبار دنیوی کی ہوتی ہے۔

3: محدثین جن اہل کفر کو زیر بحث لاتے ہیں بالعموم انکی مراد وہ ہیں جن پر ارتداد کا شبہ ہوتا یا زندقہ کا۔ مرتدین اور زنادقہ کی شرعی حیثیت کفار اصلیہ کی طرح نہیں ہے۔ مرتد اور زندیق کو شریعت واجب القتل قرار دیتی ہے جبکہ کافر اصلی کے ساتھ علی الاطلاق ایسا معاملہ نہیں ہے سیرت میں جن سے روایات کی ضرورت پڑتی ہے وہ کفار اصلیہ ہیں۔ مرتدین و زنادقہ سے روایت قبول کرنا یقیناً بہت سے مفاسد کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنے ایسے فاسد اعتقادات کے باعث کافر قرار پائے جنہیں وہ اسلام ہی قرار دیتے جبکہ کفار اصلیہ کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔

4: کفر کو کذب کے مترادف سمجھنا۔ محدثین کفر کو کذب اور اسلام کو صدق کا مترادف قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ انہی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اگر اسلام صدق کے مترادف ہوتا تو پھر تو کسی مسلمان راوی کے بارے میں یہ چھان پھٹک کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا اس طرح کفر کو کذب کے مترادف قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں حدیث میں تو اہل کتاب کی روایت کے بارے حکم دیا گیا۔ کہ ان کی نہ تصدیق

کرو اور نہ تکذیب۔ تاکہ اگر حق ہے تو تکذیب نہ ہو اور اگر باطل ہے تو تصدیق نہ ہو۔[28] اگر اہل کفر کی روایت پر کفر کے باعث کذب کا اطلاق ہو تا تو فرمان نبویؐ میں "لا تکذبو اھم "نہ ہو تا۔[29]

اہل کتاب (اہل کفر) سے اخذِ روایات کے سلسلہ میں اہل سیر کا تعامل کیا ہے؟

اصحاب حدیث اور اصحاب سیرت کی اگر بنیاد ایک ہے کہ دونوں رسول ﷺ کے اقوال، اعمال اور تقریرات کی جمع و تدوین کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دونوں طبقات میں ایک بڑا فرق موجود ہے اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کا جاننا ہو تا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ان کی بحث ضمنناً ہوتی ہے یا التزاماً مگر اصحاب سیرت کا مقصود بالذات حضور ﷺ کی ذات ہوتی ہے اور احکام کی بحث ضمنی ہوتی ہے۔ اصحاب حدیث آپؐ کے اقوال اعمال کو جمع کرنے تک محدود رہتے ہیں۔ جبکہ اصحاب سیرت کو آپؐ کے اقوال و اعمال کو ایک مربوط شکل میں بیان کرنے کے لیے تاریخی ترتیب اور اسباب و علل بھی جاننا پڑتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ سے اصحاب حدیث اور اصحاب سیرت دو مستقل جماعتیں بن گئیں۔ اور دونوں کا معیار تحقیق بھی جدا ہو گیا۔ محدیثین رواۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور ضبط کی کمی یا زیادتی کی بنیاد پر روایات میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں اور اصحاب سیرت حالات کی موافقت اور واقعات کی علم کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔

اصحاب سیرت حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت یا اس کے قریب حجاز کی معاشرتی یا مذہبی حالت بیان کرتے ہیں اور ان کا مقصود یہ ہو تا ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد اور تعلیمات سے حالات میں کیسا تغیر واقع ہوا اور کونسا حکم کس کس مناسبت سے دیا گیا۔ یہ ان حالات کے جانے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے لئے محدثین کی شرائط کے مطابق ایک روایت بھی نہیں مل سکتی۔ پیدائش سے لیکر بعثت تک کے حالات کی بھی یہی صورت ہے۔ بڑے سے بڑے محتاط محدث نے بھی یہی کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بیان کے علاوہ صحابہ کبار تابعین کے اقوال جمع کیے ہیں گو واقعہ کے وقت وہ موجود نہیں تھے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ غزوات کے حالات اصحاب حدیث اور اصحاب سیر دونوں نے لکھے ہیں۔ مگر دونوں کے لکھنے میں بہت فرق ہے۔ فتح مکہ کے متعلق محدثین اتنا لکھتے ہیں کہ قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر ظلم کیا جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قریش پر حملہ کیا اور مکہ فتح ہوا۔ لیکن اصحاب سیرت اس پر اکتفا نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ معاہدہ کی کیا اہمیت تھی، بنی بکر و بنو خزاعہ کے درمیان کتنے عرصہ سے جنگ چلی آرہی تھی اس کے اسباب کیا تھے، معاہدہ کی وجہ سے جنگ کیوں کر رکی؟ چنانچہ بنو بکر و بنو خزاعہ کے تنازعات اور جنگ و جدال کی تاریخ کے بیان کے لیے متدین مسلمانوں کی روایت دستیاب ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا اور ایسی روایت کا نہ ملنے کا مطلب یہ نہیں مانا جا سکتا کہ بنو بکر و بنو خزاعہ نے جو کچھ اپنے آباؤاجداد سے سنا تھا وہ سب ناقابل اعتبار اور قابل رد ہیں اسی لیے اصحاب سیرت نے یہ روایات جمع کیں۔ نجران کے نصاریٰ اور خیبر کے یہود کے متعلق بہت سی اہم باتیں نصاریٰ اور یہود کے علاوہ کسی سے معلوم نہیں ہو سکتیں تھیں۔ چنانچہ اہل سیرت نے ان کے واسطہ سے روایات جمع کیں۔[30] حقیقتاً محدثین اسناد عالیہ کے باوجود بہت سی جگہوں پر واقعات کی تفہیم کے لیے اصحاب سیرت کے ہی محتاج ہوتے ہیں۔ جن کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

1: صحیح بخاری کی روایت ہے کہ واقعہ افک میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو ان منافقین کے مقابلہ میں کھڑا ہو اور

حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور کہا کہ شریر افراد اوس سے ہوں یا خزرج سے، میں ان سے مقاتلہ کے لیے تیار ہوں [31]۔ اصحاب سیرت کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں ہے۔ اصحاب سیرت کا اتفاق ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد بنی قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد سعد بن معاذ کا انتقال ہو گیا تھا اور محدثین کی اکثریت کے نزدیک یہ قابل قبول بھی ہے۔[32]

2: صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ میں ام حبیبہ کو آپ کے عقد میں دیتا ہوں اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔[33] اصحاب سیرت کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں۔ ام حبیبہ کا نکاح حبشہ میں ہوا اور اس وقت ابوسفیان مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ جمہور محدثین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت باوجود صحیح ہونے کے قابل قبول نہیں ہے۔[34]

اہل کتاب (اہل کفر) سے قبول روایت کے جواز کے عقلی و نقلی دلائل

درج ذیل سطور میں سیرت مبارکہ کے سلسلہ میں اہل کفر سے روایت لینے کے شرعی دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

1: قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [35] "اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے" اس آیت میں اہل کتاب سے سوال کر کے تصدیق کر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر اہل کتاب قبول روایت کے معاملہ میں علی الاطلاق کاذبین ہوتے تو ان سے سوال کر کے رسولوں کی بشریت کے تاریخی مسئلہ پر شہادت لے لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کسی تاریخی مسئلہ میں اہل کفر سے روایت قبول کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضرورت کے وقت مستحسن عمل بن جاتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں یعنی اهل الكتاب وهم اليهود والنصارىٰ و انما امرهم الله بسوال اهل الكتاب [36] یعنی اہل، یہود و نصاریٰ، اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو ان سے سوال کر کے اس بات کی تصدیق کا حکم دیا کہ تمام انبیاء جنس بشر سے ہی آتے رہے۔ ابن عجیبہ تحریر فرماتے ہیں: اهل الكتاب، اوعلماؤهم الاحبار، الذين لم يسلموا، لانهم لايتهمون فی شهادتهم [37] "اہل کتاب کے علماء احبار سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے لیکن وہ شہادت کے معاملے میں انہیں متہم نہیں سمجھتے تھے"

2: ارشاد ہے: فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ [38] "ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں"

امام بدر الدین عینی (ف 855ھ) وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لے آئے ہیں لیکن جو ایمان نہیں لائے ان سے سوال کرنے کی ممانعت ہے۔[39]

3: لا تسئلوا اهل الكتاب عن شیء [40] "اہل کتاب سے کسی شے کے بارے میں نہ پوچھو"

امام عینیؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: "عن شیء "ای: مما يتعلق با لشرائع لان شرعنا مكتف، ولا يدخل فی النهی سؤالهم عن الاخبار المتصدقة لشرعنا وعن الاخبار عن الامم السالفة۔[41]

ترجمہ: کسی شے کے بارے میں، سے مراد ہے شرائع سے متعلق، کیونکہ ہماری شرع بنفسہ کافی ہے۔ ہاں البتہ ہماری شرع کی تصدیق کرنے والی باتیں اور گذشتہ قوموں کے بارے میں خبروں سے متعلق سوال کرنے سے ممانعت اس میں داخل نہیں۔

اسی بات کو مہلبؒ سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: هذا النهی انما هو فی سؤالهم عما لا نص فيه، لان شرعنا مكتف بنفسه

فاذا لم یوجد فیه نص ففی النظر والاستدلال غنی عن سؤالهم، ولا یدخل فی النهی سؤالهم عن الاخبار المتصدقة لشرعنا والاخبار عن الامم السالفة[42]۔ "اہل کتاب سے پوچھنے کی ممانعت اس معاملے میں ہے جہاں کوئی نص نہ ہو کیونکہ ہماری شرع بنفسہ کافی ہے لہٰذا جب کوئی نص موجود نہ ہو تو ہماری شرع نظر و استدلال کی بابت ان سے سوال کرنے سے بے نیاز ہے اور اس ممانعت میں ہماری شرع کی تصدیق کرنے والی باتیں اور سابقہ قوموں کے بارے میں خبریں دریافت کرنا شامل نہیں ہے"۔

4: بلغوا عنی ولو اٰیة وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج، ومن کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار[43]۔

ترجمہ: میری بات آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل کی بات بیان کر دو تو کوئی حرج نہیں؛ اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اُس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔

امام عینیؒ (ف 855ھ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وحدثوا عن بنی اسرائیل "بنی اسرائیل سے بات بیان کرو" یعنی ان عجیب و غریب امور میں سے جو انہیں پیش آئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سے خود اولادِ اسرائیل مراد ہے اور وہ اولادِ یعقوبؑ ہے، مطلب یہ کہ ان سے ان کے قصے کو مع ان کے بھائی یوسفؑ کے بیان کرو مگر یہ مطلب بعید بھی ہے اور اس میں قدرے تنگی بھی ہے۔ جبکہ مالکؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد ان سے وہ بات بیان کرنے کا جواز ہے جو اچھی ہو لیکن جس بات کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اسے بیان کرنے کی ممانعت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے اس طرح کی باتیں بیان کرو جیسی کہ قرآن پاک اور حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ان کی طرف سے کسی بھی صورت میں جواز تحدث ہے جو ان سے تحدیث میں، احکام اسلامیہ کے برخلاف، اتصال کے نہ ممکن ہونے کی وجہ سے انقطاع یا بلاغ کی بنا پر وقوع پذیر ہوئی۔ کیونکہ ان میں اصل تحدیث اتصال ہے اور قرب عہد کی بدولت یہ ناممکن نہیں ہوتا۔ "قوله لاحرج" آپ ﷺ کا فرمان کوئی حرج نہیں "یعنی ان سے حکایت قبول کرنے میں تمہیں کوئی مضائقہ نہیں، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، کیونکہ آپ ﷺ اس سے پہلے اہل کتاب سے اخذ اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے پر زجر فرماتے تھے، لیکن پھر اس میں توسع حاصل ہو گیا، اور ممانعت دراصل بخوف فتنہ احکامِ شرعیہ اور قواعدِ دینیہ کے استقرار سے پہلے تھی، پھر جب محذور ختم ہو گیا تو اس سلسلے میں اجازت بحال ہو گئی اس وجہ سے کہ ان کے زمانے میں جو واقعات وقوع پذیر ہوئے ان میں سامان عبرت تھا، اور یہ بھی کہا گیا کہ "لا حرج" یعنی ان سے عجیب و غریب باتیں سن کر تمہارے سینے تنگ نہ پڑیں کیوں کہ ایسے بہت سے واقعات انہیں لاحق ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے تحدیث نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے پہلے فرمایا "حدثوا" جس میں صیغہ امر ہے جو کہ وجوب کا متقاضی ہے پھر آپ ﷺ نے عدم وجوب کی طرف اشارہ کیا اس میں حقیقتاً آپ ﷺ کے فرمان مبارک "ولاحرج" سے اباحت کا حکم ہے۔[44]

امام شافعیؒ نے فرمایا یہ بات واضح ہے کہ نبی ﷺ نے جھوٹی بات بیان کرنے کی اجازت نہیں دی ہے لہٰذا وحدثوا عن بنی اسرائیل کا معنیٰ ہے کہ بنی اسرائیل سے وہ بات بیان کرو جس کے جھوٹ کا تمھیں علم نہیں ہے، البتہ جسے تم جائز سمجھتے ہو تو اسے ان کی طرف سے بیان کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ اذا حدثکم اهل الکتاب فلاتصدقوهم ولا تکذبوهم۔ "جب اہل کتاب تم سے کوئی حکایت بیان کریں تو نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ اور جس کا صدق قطعی ہو اسے بیان کرنے کا نہ حکم ہے اور نہ ممانعت۔"[45]

امام علی قاری حدیث نہی اور حدیث جواز میں موافقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:" یہاں پر تحدث سے مراد عجیب و غریب نشانیوں سے معمور قصے بیان کرنا ہے جیسے عوج بن عنق کی حکایت، بچھڑے کی عبادت سے توبہ کرنے کی غرض سے بنی اسرائیل کا اپنے آپ کو قتل، اور قرآن پاک میں مذکورہ قصوں کی تفصیل، کیونکہ ان میں اہل عقل کیلئے عبرت و موعظت ہے، جبکہ وہاں نہی سے مراد اہل کتاب کی کتابوں میں سے احکام نقل کرنے کی ممانعت ہے، کیوں کہ ہمارے نبی ﷺ کی آمد کی وجہ سے تمام شریعتیں اور ادیان منسوخ ہو چکے ہیں[46]

مختصر یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے قصص اور کہانیوں کے اخذ و قبول کی اللہ کے رسول ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی ہے بشرطیکہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف اور بے معانی نہ ہو اور جہاں تک احکام کا تعلق ہے تو کتب بنی اسرائیل سے احکام کا اخذ و قبول منع ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد تمام سابقہ شرائع منسوخ ہو چکی ہیں۔

5: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھمؕ وقولوا امنا باللہ وما انزل الینا[47]

ترجمہ: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل ہوا اس پر ایمان لائے۔

اس بارے میں امام بدر الدین عینیؒ بحیثیتِ مجموعی سلف صالحین کی آراء تحریر فرماتے ہیں:"مراد یہ ہے کہ جب وہ تم سے ایسی خبر بیان کریں جس میں کئی احتمالات ہوں اسطرح سے کہ وہ فی نفس الامر صدق ہو اور تم اسے جھٹلا دو، یا وہ جھوٹ ہو کہ تم اس کی تصدیق کر دو اور نقصان میں پڑ جاؤ۔ البتہ ہماری شرع جس کے خلاف ہے اس کی تکذیب سے ممانعت نہیں ہے اور نہ ہی اس بات کی تصدیق سے نہی ہے جو ہماری شرع کے موافق ہے"۔ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ:"یہ حدیث وجوبِ توقف کے ضمن میں اصل ہے کہ جن امور میں صحت و بطلان اور تحلیل و تحریم کا فیصلہ نہ دیا جا سکے وہاں توقف واجب ہے؛ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاءؑ پر نازل شدہ کتب پر ایمان لائیں، تاہم ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ اہل کتاب اپنی سقم زدہ کتب میں جو کچھ بیان کریں ہم اس میں سے صحیح کی پہچان کریں، لہذا ہم توقف کرتے ہیں سو ان کی تصدیق بھی نہیں کرتے تاکہ ہم ان میں سے ان کی کتب کی تحریف کرنے والوں کے ساتھی نہ ٹھہریں، اور نہ تکذیب کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ صحیح ہو اور ہم اس کے منکر ٹھہریں جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سلف صالحیں میں سے جب کسی کو ایسا اشکال پیش آتا ہے تو وہ یہی رویہ اختیار فرماتے تھے اور اس ضمن میں یہی انکا قول ہے"۔[48]

6: مشرکین مکہ کے بارے میں تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ کذب بیانی کو بہت بڑا عیب سمجھتے تھے اس لیے مکی دور دعوت میں نفاق کا سامنا نہیں ہوا۔ حالت کفر میں اہل کفر کے سچ بولنے پر حدیث نبویؐ کی شہادت بھی موجود ہے۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ہرقل قیصر روم کے دربار میں اپنے بلائے جانے اور وہاں پیش آنے والے سوال و جواب کی تفصیل بیان کرتے ہیں انہیں حالت کفر اور باوجود تمام تر عناد و دشمنی کے تمام سوالات کے جواب میں صدق سے کام لیا اور وہ واضح کہتے ہیں:

فواللہ لولا الحیاء من ان یاثروا علی کذبا لکذبت (اللہ کی قسم اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہو تا کہ مجھے بعد میں جھوٹا کہا جائے گا تو میں ضرور جھوٹ بول دیتا) باوجود مخالف ہونے خود کو جھوٹا کہلانا سخت ناپسند تھا اور سچ بولنے کو ترجیح دی۔[49]

ہجرت کے موقع پر عبد اللہ بن اریقط مشرک کی خدمات بطور رہبر مستعار لی گئیں[50] امام حاکم حبیش بن خویلد کی حدیث ان الفاظ

نقل فرماتے ہیں کہ: دلیلهما اللیثی عبد الله بن اریقط (دونوں کے رہبر عبد اللہ بن اریقط اللیثی تھے)[51] ہجرت جیسے اہم فریضہ میں سے ایک فرد کو بطور رہبر اُجرت پر متعین کرنا جہاں دیگر مسائل میں احکام فقہیہ کے لیے مصدر استدلال ہے وہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اہل کفر پر معاملات دنیوی میں اعتبار کر کے ان کی شہادت و روایت کو قبول کیا جائے گا۔ عبد اللہ بن اریقط نے رستہ بھی وہ اختیار کیا جو عام نہیں تھا۔ اور دیگر راستوں سے نسبتاً طویل تھا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اسی راستے پر سفر کو درست سمجھا جس کی جانب اس نے نشان دہی کی۔ آپ ﷺ کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ روایت کے معاملے میں اہل کفر کو علی الاطلاق کاذب سمجھنا درست نہیں۔

7: تاریخِ بنی نوع انسان میں ظہور ہونے والے واقعات و حوادث نقل و روایت کے ذریعے سے نہ صرف آج کے دور میں محفوظ ہیں بلکہ انسانی تاریخ کا بنیادی مصدر اور ہمارے لیے باعثِ عبرت ہیں۔ سابقہ اقوام کے اہل علم اور اہل قلم ہی ان اقوام کی تاریخ کے ناقل و راوی ہیں جو عروج و فنا کے مختلف مراحل سے گذریں۔ براعظم افریقہ میں رہنے والی اقوام کی تاریخ کی نقل و روایت میں متصل الاسناد و روایات کا ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ یقیناً حقیقت سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ان اقوام کی تاریخ منقولہ ہی نہیں بلکہ قابل اعتماد اور مستند ذرائع سے ان کا مواد دستیاب بھی ہے۔

سیرت النبی ﷺ پر اگر غور کیا جائے تو اس کی حیثیت تاریخی بھی ہے لہذا نبی ﷺ کی پیدائش سے قبل رونما ہونے والے معجزاتی واقعات (آتش کدہ ایران کا بجھنا، کسریٰ کے ایوانوں کے مناروں کے کنگروں کا گرنا، حضرت آمنہ اور دیگر اہل عرب کے ساتھ محیر العقول واقعات کا پیش آنا) کیلئے حدیثی معیار کے مطابق اسناد تلاش کرنا نا صرف بے سود بلکہ غیر منطقی ہے۔ جب دیگر اقوام و ملل کی تاریخ میں اس کی ضرورت نہیں تو کیا وجہ ہے کہ نبی ﷺ سے متعلق تاریخ کو ایسے میزان و معیار پر ہر صورت پرکھا جائے۔ سیرت کی تشریعی حیثیت کو اس کی تاریخ حیثیت سے خلط ملط کرنے کا مطلب نہ صرف بہت سی روایات سیرت سے محرومی ہے بلکہ سیرت کے مابعد واقعات کی تفہیم بھی ناممکن ہو جاتی ہے[52]۔ اسی ضمن میں مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں: "حدیث اور تاریخ میں فرق کرنا ضروری ہے۔ حدیث سے عقائد و احکام پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ لیکن تاریخ سے فقط واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ پھر جس معیار پر عموماً تاریخی روایتیں جانچی جاتی ہیں ان ہی پر میلاد مبارک کی روایتوں کو بھی چاہیے کہ جانچا جائے کیونکہ میلادی روایتوں سے نہ تو عقیدہ کا پیدا کرنا مقصود ہے اور نہ کسی قانونی حکم کی استنباط میں ان سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک واقعہ ہوا ہے بس اتنا ہی ظاہر کرنا ہے اور اس کیلئے صرف یہ دیکھ لینا چاہیے کہ گرد و پیش کے حالات اس کے مؤید ہیں یا نہیں اور یہ کہ واقعہ کے امکان کیلئے قریبی قرائن موجود ہیں یا نہیں اگر ہیں اور اسکے بعد ایسے ذرائع جن پر تاریخ میں اعتماد کیا جاسکتا اور ان کے توسط سے ہم تک کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع پہنچتی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس کے انکار کی گنجائش عقل ہو یا منطق آخر خواہ مخواہ کیوں پیدا کرے گی یہ ایک بڑا مغالطہ ہے کہ محدثین کی کڑی تنقید کا حربہ تاریخی روایتوں پر بھی چلا دیا جائے حالانکہ اگر ایسا کیا جائے تو دنیا کی تمام تاریخیں نہ صرف قدیم زمانہ کی بلکہ زمانہ حال کے متعلق جو تاریخی روایتیں جمع کی جاتی ہیں یقین کیجیے کہ یکایک ان کا سارا دفتر بے معانی ہو کر رہ جائے۔"[53]

آخر میں اس بات کا تعین کرنا بھی از حد ضروری ہے کہ اہل کتاب سے اخذ روایات کا جواز صرف ایسے موقعہ پر نکلتا ہے جب قرآن و

سنت سے شافی جواب نہ مل رہا ہو ایسی ناگزیر صورتِ حال میں پوری تحقیق و احتیاط سے کتب اہل کتاب میں غور و خوض کی گنجائش ہوتی ہے۔ نیز اہل کتاب میں سے صرف ان لوگوں سے اخذ روایات کا جواز ہے جو دینِ اسلام سے کامل وابستگی رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی حقانیت و صداقت کو تہہ دل سے قبول بھی کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگی کہ امتِ محمدیہ ﷺ میں سے اہلِ کتاب سے اخذِ روایات کی نازک ذمہ داری صرف وہ اہل نظر، صاحب الرائے اور صائب الرائے افراد سرانجام دینے کے اہل ہونگے جو بڑے ہی وسیع النظر، وسیع العلم اور وسیع المطالعہ اور قرآن و سنت کے علوم و معارف سے گہری واقفیت کے حامل ہوں اور علمی ثقاہت و رسوخیت کے ساتھ ساتھ اصول و علوم شریعہ پر مکمل دسترس رکھتے ہوں۔ ہر کسے ناقص جو کہ صحیح و سقیم میں امتیاز کرنے سے قاصر ہو اس کے لئے اہل کتاب سے اخذ روایات یا کتب اہل کتاب سے استفادہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس طرح نوخیز نسل میں عقائد کے بگاڑ کا خدشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بحث سے اخذ ہوتا ہے کہ روایات سیرت میں اہل کتاب سے اخذ و قبول کا جواز قرآن و حدیث سے مستفاد ہے۔ اور اسی پر اہل سیرت کا تعامل ملتا ہے۔ لہذا روایات سیرت کی تاریخی حیثیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کو حدیث کے استنادی معیار پر جانچنے کی بجائے اخبار و آثار دنیوی کی طرح انہی اصولوں پر پرکھا جائے جو دنیوی واقعات کے امکان و وقوع کی تحقیق میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اگر کسی مسلمہ اعتقادی مسئلہ پر زد نہ پڑتی ہو تو عقلی و نقلی شواہد بھی اخبار و روایات کے لیے قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ المختصر اصولیین اہل کتاب (اہل کفر) سے اخذ روایات کے قائل ہیں جبکہ محدثین ان سے اخذ روایات کے قائل نہیں ہیں۔ مزید برآں اس بات کا تعین کرنا بھی ضروری ہے کہ اہل کتاب سے اخذ روایات صرف ایسے موقعہ پر جائز ہے جب قرآن و سنت سے شافی جواب نہ مل رہا ہو۔ ایسی ناگزیر صورتِ حال میں پوری تحقیق و احتیاط سے کتب اہل کتاب میں غور و خوض کی گنجائش ہوتی ہے۔ نیز اہل کتاب میں سے صرف ان لوگوں سے اخذ روایات کا جواز ہے جو دینِ اسلام سے کامل وابستگی رکھنے کے ساتھ اسکی حقانیت و صداقت کو تہہ دل سے قبول بھی کرتے ہیں۔ امتِ محمدیہ ﷺ میں سے اہلِ کتاب سے اخذِ روایات کی نازک ذمہ داری صرف وہ اہل نظر، صاحب الرائے اور صائب الرائے سرانجام دینے کے اہل ہونگے جو بڑے ہی وسیع النظر، وسیع العلم، وسیع المطالعہ اور قرآن و سنت کے علوم و معارف سے گہری واقفیت کے حامل ہوں۔ ان کے علاوہ امتِ محمدیہ ﷺ کے کسی فرد کے لئے اہل کتاب سے اخذ روایات یا کتب اہل کتاب سے استفادہ کا جواز تلاش کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے نوخیز نسل کے عقائد میں بگاڑ کا قوی احتمال ہے۔

حوالہ جات و حواشی

---

[1] طاہر القادری، ڈاکٹر، اسلام اور اہل کتاب، لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2014، ص 28

[2] مطلق "الکتاب" کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد قرآن مجید ہوتا ہے جیسے "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ، وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ" قرآن مجید کے بعد جن کتابوں کی خود قرآن نے تصدیق کی ہے اور نام لے کر ان کا ذکر کیا ہے وہ کتب توراۃ و انجیل ہیں۔ جیسے "ذالك مثلهم فی التوراۃ و مثلهم فی الانجیل" اس کے علاوہ جب "الکتاب" کے ساتھ "اھل" کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو قرآنِ کریم کی ایک مجوزہ استعمال "اھل کتاب" مراد ہوتی ہے جو قرآنی استعمالات کے مطابق یہود و نصاریٰ کی ترجمانی کرتی ہے توراۃ و انجیل اور بنی اسرائیل کا لفظ قرآن مجید میں کثرت سے استعمال ہوا ہے اس لئے اس کے ماننے والوں کو اسلام نے خصوصی اہمیت دی ہے۔

[3] قرآن کریم میں 31 مقامات پر اہل کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے اور چار قسم کے صیغے "اوتوا الکتاب، و اتیناھم، اور ثوالکتاب، اوریا اھل الکتاب استعمال ہوئے ہیں ان تمام آیتوں اور صیغوں میں یہود و نصاریٰ کو ہی مراد لیا گیا ہے۔ قرطبی، 2/26؛ جامع البیان، 3/304؛ البحر المحیط، 3/431؛ احکام القرآن، 3/118 اس کے علاوہ ایک جگہ اہل الانجیل اور بنی اسرائیل کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔

[4] آل عمران 187:3

[5] المائدہ 70:5

[6] راغب اصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل، امام، المفردات فی غریب القرآن، زیر مادہ کتب، اسلامی اکادمی لاہور، 1987ء

[7] الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی، ''تاج العروس من جواھر القاموس، زیر مادہ کتب، وزارۃ الارشاد والا نباء، الکویت، 1969ء

[8] فضل الرحمٰن سید، احسن البیان فی تفسیر القرآن، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، 1996، ص 33

[9] الشھرستانی، الامام ابو الفتح محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، موئسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، 1998، الباب الثانی، ج 1، ص 155

[10] الماتریدی، ابی منصور محمد بن محمد، تاویلات اھل السنۃ، تفسیر الماتریدی، دار الکتب، بیروت، 2005 زیر آیت 29 من التوبہ ج 5، ص 373

[11] الجصاص، الامام ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، س ن، زیر آیت 29 من التوبہ ج 3، ص 121، 120

[12] القرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، زیر آیت 29 من التوبہ ج 8، ص 71

[13] جصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، دار احیاء التراث، بیروت۔لبنان، 1405، ج 3، ص 326-327

[14] البقرہ 62:2

[15] الحج 17:22

[16] جصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، دار احیاء التراث، بیروت۔لبنان، 1405، ج 3، ص 328

[17] سمرقندی، ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم، بحر العلوم، دار الفکر، بیروت لبنان، س، ن، ج 1، ص 124

[18] ایضاً، ج 1، ص 125

[19] البغدادی، ابو بکر احمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، تحقیق: ابو عبداللہ السورقی، المکتبۃ العلمیہ، المدینہ المنورہ، ص 121

[20] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، المعتمد فی اصول الفقہ، المطبعۃ الکاثولیکیۃ بیروت، 1385ھ، ج 2، ص 617-619

[21] الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم اصول الفقہ۔تحقیق: طہ جابر فیاض العلوانی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1992، ج 2، ص 567

[22] السبکی، علی بن عبد الکافی، الابھاج فی شرح منہاج الوصول فی علم الاصول للبضاوی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1404ھ، ج 2، ص 319

[23] النووی، محی الدین بن شرف، التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر، دار الکتاب العربی، بیروت، 1985، ص 50

[24] عثمان احمد، القلم، جلد 18، شمارہ 2، دسمبر 2013ء، ص 54

[25] القاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س، ن، ص 126

[26] عبد العزیز بخاری، کشف الاسرار شرح اصول بزدوی، تحقیق: عبد اللہ محمود محمد عمر، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1997، ج 2 ص 523

[27] البقرہ 111:2

[28] احمد بن حنبل، المسند، مؤسسۃ قرطبہ القاہرۃ، س۔ن، ج 4، ص 136، ح 7264

[29]عثمان احمد، القلم، جلد18، شمارہ2، دسمبر2013ء، ص56،55

[30]دانا پوری، ابو البرکات ،عبد الروف، اصح السیر، مجلس نشریات اسلام کراچی،2004، ص10، 11

[31]البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ، باب تعدیل النساء بعضهن بعض، دار ابن کثیر ،بیروت،1987، ح2518

[32]الکلاعی، ابو الربیع،سلیمان الاندلسی، الاکتفاء بما تضمنه من مغازی رسول الله والثلاثه الخلفاء،عالم الکتب، بیروت1417ھ، ج2، ص110

[33]النیشاپوری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دار الجیل، بیروت ،باب من فضائل ابی سفیان ،ج7، ص171، ح6565

[34]ابن القیم ،محمد بن ابی بکر الجو زیه، زاد المعاد فی هدی خیر العباد، فصل: فی اولادهﷺ ، مؤسسة الرسالة بیروت،1994، ج1، ص110

[35]الانبیاء7:21

[36]الخازن ،علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، لباب التاویل فی معانی التاویل، دار الفکر بیروت،1979، ج4، ص92

[37]ابن عجیبة، احمد بن محمد الادریسی الشاذلی، دار الکتب العلمیه ،بیروت، طبع دوم،2002، ج4، ص35

[38]یونس94:10

[39]عینی، بدر الدین، عمدة القاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، ج25، ص111

[40]البخاری ،ابو عبد الله محمد بن اسماعیل ،صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بلکتاب و السنة ، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1419ھ

[41]العینی ،بدر الدین ،الامام العلامه ابو محمد محمود بن احمد، عمدة القاری شرح صحیح البخاری ، کتاب الاعتصام بلکتاب و السنة، دار الکتب العلمیة ،بیروت1421ھ، ج25، ص111

[42]العسقلانی ،ابن حجر، الامام الحافظ احمد بن علی ،فتح الباری شرح صحیح البخاری ، کتاب الاعتصام بلکتاب و السنة، مکتبه دار السلام الریاض ،1418ھ، ج13، ص408

[43]صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء ،ح3461

[44]عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ج16، ص63، ح3461

[45]فتح الباری، ،کتاب احادیث الانبیاء ،ج6، ص609، ح3461

[46]القاری ، الامام العلامه الشیخ علی بن سلطان محمد، مرقاة المصابیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الاول، دار الکتب العلمیة ،بیروت1428ھ، ج1، ص408

[47]صحیح البخاری، باب کتاب التفسیر، باب11، رقم الحدیث4485

[48]عمدة القاری، کتاب التفسیر، ج18، ص123، ح4485

[49]البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، تحقیق: مصطفیٰ دیب البغاء، دار ابن کثیر، بیروت،1987، باب بدء الوحی، ج1، ص7، ح7

[50]العسقلانی، ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی، الاصابه فی تمیز الصحابة، تحقیق: علی محمد البجاوی، دار الجیل، بیروت،1992، ج4، ص5

[51]الحاکم، محمد بن عبد الله النیشا پوری، المستدرك علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیه، بیروت،1990، ج4، ص58

[52]عثمان احمد، القلم، جلد18، شمارہ2، دسمبر2013ء، ص60

[53]گیلانی، مناظر احسن، میلادی مکاشفات ظہور نور، حیدر آباد دکن: 1373ھ، ص4